مکتوبِ مفتوح

صدرِ مملکت جناب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان

کی خدمت میں

صدر گرامی قدر!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ پچھلے چند برسوں سے آپ کی تقاریر و خطبات، ملّت پاک کی ترقی و خوشحالی کے لئے آپ کا جذبہ صادق، ملّت پاک کو دنیا کی زندہ اور ترقی یافتہ اقوام کی علمی، تہذیبی اور معاشی سطح پر بلند کرنے کے لئے آپ کی انتھک جدوجہد، کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی مسلم اقوام کو باہم متحد کرنے اور ان کی زندگی میں اسلام کو ایک فعّال (ACTIVE) اور زندہ عنصر کی حیثیت سے دیکھنے کی بے پناہ آرزو، اور اس عظیم نصب العین کو واقعیت میں بدلنے کے لئے آپ کی سیماب آسا تڑپ، میرے مطالعہ کا خاص محور رہے ہیں۔

میں ایک عام آدمی ہوں اور عوام کے ہی قریب رہتا ہوں اس لئے ان کے دکھ درد، ان کی مشکلات اور ان کی آرزوؤں اور تمناؤں سے کچھ واقفیت رکھتا ہوں۔ لہذا اس فکر و مطالعہ کی بنا پر آپ کی خدمت میں چند معروضات کرنے کی جراءت کر رہا ہوں جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ یہ معروضات ایک ایسے عام آدمی کے مشاہدہ و مطالعہ کا نتیجہ ہیں، جس کے ذہن پر کسی مخصوص سیاسی مسلک کا اثر نہیں ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ مطالعہ قطعاً غیر جانبدار ہے۔ جو شخص بھی عوام میں سادہ ذہن کے ساتھ گھومے پھرے گا، ان کے حالات کو دیکھے گا وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا جسے میں پیش خدمت کر رہا ہوں۔

اگر یہ معروضات آپ کی توجہ کا باعث بن سکیں تو میرے لئے یہ سعادتِ دارین کے مترادف ہوگا۔

صدر محترم۔ سب سے پہلی بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ پاکستان اور مسلم قوم کو آپ جس بامِ عروج پر لے جانا چاہتے ہیں اور اس میں جس طرح حقیقی اسلام کی روح پیدا کرنا چاہتے ہیں، آپ کی اس خواہش اور عمل کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اس ملک کے اندر مُلّائی نظام کا وجود ہے۔ یہ نظام اگرچہ تمام اسلامی ممالک میں پایا جاتا ہے مگر بیشتر مسلم ممالک میں وہاں کے مخصوص تاریخی حالات کی وجہ سے اس ملّائی نظام پر کافی حد تک قابو پایا جا چکا ہے مثلاً جدید ترکی میں مصطفےٰ کمال، ایران میں رضا شاہ پہلوی، مصر میں صدر ناصر اور افغانستان میں

ظاہر شاہ نے عوام کے ذہن سے مُلّائی تسلط کو کافی حد تک بے اثر کر دیا ہے یقیناً آپ پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ جدید یورپ اور اشتراکی ممالک میں سائنس، ٹیکنالوجی، معاشی اور عمرانی علوم کی موجودہ عظیم الشان عمارت اس وقت تک تعمیر نہیں ہو سکی جب تک کہ وہاں کی عوامی زندگی سے کلیسائی نظام کی ہمہ گیر دخل اندازی کو ختم نہیں کر دیا گیا۔ نشاۃِ ثانیہ کے بعد مغرب کی علمی قوتوں اور کلیسائی نظام کی باہمی آویزش کی شدت کا اندازہ ڈاکٹر ڈریپر کی کتاب "معرکۂ مذہب و سائنس" کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے کہ رومن کلیسا کی مجلس انکوئزیشن نے تین لاکھ انسانوں کو محض اس جرم میں یا تو انہیں زندہ جلا دیا یا انہیں قتل کروا دیا کہ وہ گلیلیو، برونو، کوپرنیکس اور نیوٹن کے خیالات کو قبول کر رہے تھے۔ چنانچہ جدید یورپ اور اشتراکی ممالک اس وقت تک ارتقاء کی شاہراہ پر قدم نہ رکھ سکے جب تک کہ انھوں نے اپنے ہاں کے کلیسائی نظام کے اقدار کو چیلنج نہیں کیا۔ اس پر بھرپور وار نہیں کیا اور ہمیشہ کے لئے اس کی کمر توڑ کر نہ رکھ دی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہب کو ریاستی اداروں اور تعلیمی نظام سے اس طرح خارج کر دینے سے اس کی جگہ وہاں میکیاولیت (MACHIAVELLISM) نے لے لی، جس نے کہ ریاست کو اجتماعی اخلاق کی قیود سے قطعاً آزاد کر دیا اور اس سے وہاں کے تہذیبی اقدار کو زبردست نقصان پہنچا مگر جیسا کہ آپ بخوبی جانتے ہیں مغرب کی جدید قوتوں سے اس غلطی کے سرزد ہونے کے چند تاریخی وجوہ ہیں، جن میں خود مذہب کی روایت پسندی اور علم دشمنی کا سب سے بڑا ہاتھ ہے ان خامیوں کی وجہ سے مذہب کی بجائے اشتراکی فلسفہ حیات نے میکیاولیت پر بھرپور تنقید کی اور اس کے سماج دشمن اور مخرب اخلاق اثرات کا کافی حد تک ازالہ کیا مگر اپنی دہریت پسند نہاد کی وجہ سے اشتراکیت بھی اس تاریخی فرض کو کماحقہ سر انجام نہ دے سکی

ان تاریخی واقعات و نظائر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب تک ہمارے ہاں سے مُلّائی نظام کے تسلط کو ختم نہیں کیا جاتا اور اسے اپنے ذاتی اور محدود گروہی مفاد کے لئے مذہب کو استعمال کرنے سے باز نہیں رکھا جاتا۔ آج اس دور میں کوئی قوم یا ملک ترقی کی شاہراہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔

صدر مکرم۔ اس تاریخی استقراء کے پیشِ نظر آپ بھی جب تک یہاں کے مُلّائی نظام کی کمر نہیں توڑیں گے اور اسے پوری جرأت اور حوصلے سے اپنے ذاتی اور گروہی اقتدار اور مفاد کی خاطر اسلام کو استعمال کرنے اور عوام کے جذبات کے ساتھ کھیلنے سے محروم نہیں کریں گے، پاکستان میں ترقی کی رفتار آپ کے حسب منشا تیز تر نہیں ہو سکتی۔

آپ جانتے ہیں ہمارے علماء، ائمہ اور خطباء کا عوام سے براہ راست تعلق ہے۔ بڑے بڑے شہروں سے لے کر چھوٹے چھوٹے اور معمولی دیہات تک مساجد کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔ ہر قریہ اور بستی اور اس کا ہر محلہ اس نظام سے وابستہ ہے۔ مساجد و مدارس پر ان حضرات کا قبضہ ہے۔ روزانہ پانچ وقت کی نمازوں کے چھوٹے چھوٹے اجتماعوں سے لے کر جمعہ و عیدین کے عظیم الشان اجتماع تک یہی حضرات عوام سے متعلق اور ان سے مخاطب رہتے ہیں۔ اس طرح اُن کے قائم کردہ اس ملّائی نظام کی قوت میں حیرت انگیز اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر ٹھیک الفاظ استعمال کئے جائیں تو یہ ایک حکومت در حکومت ہے۔

یہ لوگ آئے دن اپنی اس قوت و اقتدار کے بل بوتے پر حکومت کے ہر ضروری اور مفید پروگرام اور تجویز کو غیر شرعی اور غیر اسلامی قرار دے کر عوام کو اس کے خلاف اکساتے رہتے ہیں اور جیسا کہ آپ کو علم ہے انھوں نے خاندانی منصوبہ بندی، عائلی اصلاحات اور کئی دیگر منصوبوں کو غیر شرعی قرار دے کر انہیں عوام میں نامقبول بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اگر یہ حضرات ان منصوبوں کی اسلام کے نام سے اور اپنے مذہبی اثر و نفوذ کا فائدہ اٹھا کر اس طرح مخالفت نہ کرتے تو حکومت کو کروڑہا روپیہ کی بچت ہو سکتی تھی اور نہایت ہی معمولی سی کوشش اور خرچ سے اس کے ان فیصلوں کو عوام میں مقبول بنایا جا سکتا تھا۔ بات صرف یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جب ہم مذہب کے نام سے سیاست کرنے والی بعض جماعتوں کی تنظیم، اس کے پروپیگنڈا کی تکنیک اور شدت، عوام میں اسلام کے نام پر اس کے نفوذ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم اس حقیقت پر مطلع ہوتے ہیں کہ ہمارے معاشرہ میں یہ ملّائی نظام تسلّط و اقتدار کا اتنا عادی ہو چکا ہے کہ اس نے سچ مچ مذہب کے نام پر ایک متشدد سیاسی تحریک شروع کر رکھی ہے جو بزعم خود جاہلیت کے ہاتھ سے اقتدار کی چابیاں چھین کر ایک حکومت الٰہیہ قائم کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔

صدر محترم! یہاں میں آپ کی توجہ اس طبقے کی طرف سے نکلنے والی ایک نئی کتاب "خلافت و ملوکیت" کی طرف مبذول کراتا ہوں۔ اس کتاب میں کھلم کھلا یہ درس دیا گیا ہے کہ کسی موزوں وقت پر، جب کامیابی کی پوری توقع ہو، ان مسلم حکومتوں کے خلاف بغاوت کر دینا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے، جو اس کے خیال میں "منہاج نبوت" پر قائم نہیں ہیں۔ اور اپنے اس نظریۂ خروج (REVOLT) کا جواز زید بن علی اور نفس زکیہ کے خروج سے لیا ہے اور بقول اس کتاب کے اس خروج میں حضرت امام ابو حنیفہ نے بھرپور حصہ لیا تھا۔ ان کے نزدیک پاکستان کی موجودہ حکومت جاہلیت کی حکومت کے مترادف ہے، جس کے خلاف خروج (REVOLT) جائز

ہی نہیں واجب ہے محض ساز گار حالات کا انتظار کر لینا چاہیئے۔

لہٰذا البغاوت کے حق میں اس فتویٰ کے بعد ہر اس صاحب اقتدار کا فرض ہو جاتا ہے جو اسلام کی عظیم اقدار کو اس ملک میں سرسبز و شادات دیکھنا چاہتا ہے۔ کہ وہ اس ملائی نظام کی قوت کو توڑنے کی بھرپور کوشش کرے۔ وہ اقدار جو انسان دوست اور علم پرور ہیں اور مذہبی عقائد اور رنگ ونسل میں حریّت ومساوات کی علمبردار ہیں اور جن کے جامع انسانیت کے تصوّر کی بنا پر اقوام عالم کو ایک عام انسانی برادری میں تحویل کیا جا سکتا ہے اور اس کا نتیجہ کرۂ ارض پر دائمی امن کے دور دورہ، خوش حالی کے قیام اور حیات انسانی کی مسلسل اخلاقی و روحانی نمو پذیری کی صورت میں عیاں ہوگا۔

صدر والا قدر۔ اس ملّائی نظام کی گمراہ کن اور عوام دشمن قوت کو توڑنے کے لئے میں چند تجاویز آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ پہلی تجویز تو یہ ہے کہ تمام نجی مذہبی مدرسوں اور دار العلوموں کو بند کر دیا جائے کیونکہ یہ مذہبی مدرسے اور دار العلوم اس ملّائی نظام کی قوت و اقتدار کے مصدر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان مذہبی درس گاہوں کے اندر جدید صنعتی عہد سے ایک ہزار برس قبل کا مرتب کردہ ایک دقیانوسی، فرسودہ اور علمی لحاظ سے افلاس زدہ نصاب تعلیم رائج ہے۔ جس کے تمام علوم قیاسی وظنّی ہیں۔ کیونکہ ان کی بنیاد ارسطو کی منطق استخراجیہ (DEDUCTIVE LOGIC) پر رکھی گئی ہے اور مسلم حکماء کے تحقیق کردہ اصول استقراء (INDUCTIVE LOGIC) کو اس میں کوئی جگہ نہیں دی گئی۔ جسے بعد میں یورپ نے اپنا کر جدید سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی کو تخلیق کیا اور اسے عظیم الشان ترقی دی۔ اس درس نظامی میں کائنات کا تصوّر حرکت و تغیّر (CHANGE) پر مبنی نہیں بلکہ سکون و جمود پر ہے، جس سے نئی اقدار کی تخلیق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اس نصاب میں قرآن حکیم کو ایک زندہ اور رہنما کتاب کی حیثیت سے کوئی مقام نہیں دیا گیا۔ اس کا مطالعہ صرف چند فقہی اور لغوی موشگافیوں تک محدود رہتا ہے۔ طلبہ میں اس کتاب مقدس سے انسانی زندگی کے ارتقاء و تزکیہ کے لئے کسی لائحہ عمل کے اخذ کرنے کی اہلیت نہیں پیدا کی جاتی، اس لئے مذہبی مدارس سے یہ امید رکھنا عبث ہے کہ وہ اپنے اس فرسودہ اور ذہنی لحاظ سے مفلس ماحول سے وقت کے جدید تقاضوں کو سمجھنے والے بالغ نظر اور روشن دماغ عالم پیدا کر سکیں گے۔

ان مدارس کی جگہ حکومت کو چاہیئے کہ محکمہ اوقاف کے زیر انتظام ایسے دار العلوم قائم کرے جن میں

عصر حاضر کے تقاضوں اور علوم سے باخبر مذہبی رہنما تیار کئے جائیں اس کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم کی اعلیٰ تعلیم کو یونیورسٹی کے نصاب تعلیم (CURRICULUM) میں شامل کیا جائے، جہاں فقہ، حدیث۔ تفسیر، تصوّف وکلام اور تاریخ اسلام وغیرہ میں ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کے انتظامات کئے جائیں۔ ایم اے کے بعد ان کو اسلامی علوم اور اسلام کی ممتاز شخصیتوں پر ڈاکٹریٹ کی تیاری کے لئے بھی مواقع فراہم کئے جائیں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ فقہ کو ایل ایل بی کا ایک حصّہ بنا دیا جائے اور اس کی مدّتِ تعلیم تین سال کر دی جائے، جس میں ایک سال صرف اسلامی فقہ پر صرف کیا جائے۔ محکمہ اوقاف کے زیر نگرانی جو دار العلوم ہوں، ان سے فارغ التحصیل علماء کو شہروں اور دیہات کی جامع مساجد میں بحیثیت خطیب اور امام و معلم مقرر کیا جائے۔ اور ان کے مشاہروں اور معیار زندگی کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق نئے سرے سے ترتیب دیا جائے۔

اسلامی علوم کو یونیورسٹیوں میں لے جانے سے ایک اہم فائدہ یہ ہوگا کہ اُمّتِ اسلامیہ میں حکومت الٰہیہ قائم کرنے کا درس دینے والے سیاسی طالع آزماؤں کی تخلیق بند ہو جائے گی۔ اب تو حالت یہ ہے کہ ان حضرات میں سے جو شخص جدید زندگی کے تقاضوں کے متعلق کچھ سوجھ بوجھ پیدا کر لیتا ہے' وہ امام و مجتہد بن کر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے خواب دیکھنے لگتا ہے تاکہ وہ بزعم خویش اپنی حکومت الٰہیہ قائم کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلم عوام کی ذہنی اور جسمانی قوتیں ملک و ملّت کی تعمیر میں صرف ہونے کی بجائے ان نام نہاد مجتہدین کی تائید و مخالفت میں ضائع ہونے لگتی ہیں۔

محکمہ اوقاف کے زیر انتظام دار العلوموں میں داخلہ کی شرط میٹرک رکھی جائے اور ان میں مذہبی مضامین کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی بھی تعلیم دی جائے تاکہ ان دار العلوموں سے فارغ ہونے والے حضرات مذہبی فرائض کے علاوہ آج کے قومی مسائل کو بھی سمجھ سکیں اور ان میں عوام کی رہنمائی کر سکیں۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ یونیورسٹیوں میں اسلامی علوم کی تعلیم اور ان دار العلوموں کے قیام کے ساتھ ساتھ موجودہ علماء، خطباء اور ائمہ کے لئے جدید علوم پر مشتمل ایک ریفریشر کورس (REFRESHER COURSE) مرتب کیا جائے۔ اور ملک کے مختلف حصوں میں ایسے مراکز ہوں، جہاں یہ حضرات آئیں اور اس کورس کو مکمل کریں۔ ریفریشر کورس کرنے والوں کے لئے مناسب مواقع فراہم کئے جائیں کہ وہ اوقاف میں نکلنے والے مناصب پر فائز ہو سکیں۔

تیسری تجویز یہ ہے کہ خطبات جمعہ و عیدین عوام کے روزمرہ کے مسائل اور ان کے جدید تقاضوں کے

مطابق حل پر مشتمل ہوں۔ علوم کے ماہرین مختلف موضوعات پر خطبات مرتب کریں، جن کی بنیاد پر مساجد کے امام اپنے خطبات کو تشکیل دیں۔ اس طرح ہمارے عوام مذہبی اختلافات کو ہوا دینے والے، دنیوی زندگی سے نفرت دلانے والے اور وقت کے جدید تقاضوں کی مخالفت کرنے والے خطبات کے زہر سے محفوظ ہوسکیں گے اور عوام کی ذہنی تربیت کے بہتر مواقع مہیا ہوسکیں گے اور ان کے درمیان مذہبی فرقہ بندی جیسی سماج دشمن روایت کی اہمیت کم ہوکر قومی اتحاد و سالمیت اور زندگی کی بہتر تعمیر کا جذبہ پیدا ہوگا۔

چوتھی تجویز یہ ہے کہ قرون اولیٰ کی طرح "مسجد" کو دینی اور معاشرتی زندگی کا مرکز بنایا جائے، مساجد میں تعلیم بالغاں کا انتظام ہو، ان میں پرائمری سکول کھولے جائیں، مساجد سے ملحقہ کمروں میں دارالمطالعہ قائم کئے جائیں۔ وہاں دینی اور اصلاحی اجتماع ہوں۔ اس طرح مسجد عبادت گاہ کے ساتھ ساتھ اپنے اپنے علاقے کا ایک ایسا تہذیبی ادارہ بن جائے گی کہ سب اس کی طرف رجوع کیا کریں گے۔

پانچویں تجویز یہ ہے کہ مذہب کے نام پر حکومت الٰہیہ قائم کرنے اور حکومت کو "منہاج نبوت" پر اُستوار کرنے کے لئے جذباتی نعرہ بازی کی بنیاد پر کسی شخص کو سیاسی تحریک چلانے کی سختی کے ساتھ ممانعت کر دی جائے بلکہ ایسی قائم شدہ تحریکوں کو خلاف قانون قرار دیا جائے اور ان کی تنظیم پر بھرپور وار کیا جائے جس سے ان کی طاقت و قوت ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جائے۔

صدر محترم۔ آج ملت میں جو ذہنی اور اجتماعی انتشار برپا ہے، اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ حضرات ہیں، جو اپنے دارالعلوموں میں ایسے علوم پڑھاتے ہیں، جن سے پڑھنے والوں کو نہ روحانی تسکین ملتی ہے اور نہ دنیوی فائدہ۔ پھر ان کے منبر، رسائل اور وعظ وقف ہیں عوام کو ہر اس چیز سے متنفر کرنے میں، جو صحیح معنوں میں قومی زندگی کو تعمیری راہوں پر ڈال سکتی ہے۔ ان حالات میں یہ کیسے ممکن ہے کہ اس مُلّائی نظام کو توڑے بغیر جس کے تحت یہ سب کچھ ہو رہا ہے، پاکستان اس بیسویں صدی میں ایک ترقی خواہ اور خوش حال ملک بن سکے۔

آخر میں میری یہ عرض ہے کہ اگر آپ نے اپنے دورِ اقتدار میں اس مسئلہ کا خاطر خواہ حل نہ کیا، تو پھر معلوم نہیں ملک کو ایسی سنجیدہ، دانش مند، محب وطن و قوم اور جری قیادت کب نصیب ہو۔ اگر بدقسمتی سے یہ مسئلہ اسی طرح رہا تو اس ملک کا جو حشر ہوگا، میں اس کے تصوّر سے کانپ جاتا ہوں۔ آج قومی بقا اس کی مقتضی ہے کہ ہم متحد ہوں اور ترقی کریں، لیکن مُلّائی نظام کی ساری تگ و دو یہ ہے کہ فرقہ واریت پروان چڑھے۔ قوم فرقوں میں بٹی رہے اور ہر ترقی خواہ اقدام کی مخالفت ہو۔

آپ کا مخلص : الطاف جاوید
۹۶/۴ مارٹن روڈ کوارٹرز۔ کراچی-۵